© rasailojaraid.com

کتاب نما

کہوٹہ سے چاغی تک ' فیضان اللہ خان۔ ناشر: دور نو پبلی کیشنز' ۴۵ حبیب پارک' لاہور ۵۴۷۸۰۔ صفحات: ۱۹۱۔ قیمت: ۷۵ روپے۔

اس برس ۲۸ مئی ۱۹۹۸ کو "یوم تکبیر" کے طور پر منایا گیا۔ بلاشبہ یہ دن' تاریخ پاکستان میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایٹمی دھماکے نے اہل وطن میں ایک نیا عزم اور ولولہ پیدا کیا اور وہ خود اعتمادی کے جذبے سے سرشار ہوئے۔ اب اگر انھیں اقبال کے الفاظ میں کوئی "میر کارواں" مل جائے تو وہ قوم کے ولولوں اور عزائم کے بل بوتے پر' اس کی تقدیر پلٹ سکتا ہے۔ پاکستان کو ۲۸ مئی ۱۹۹۸ کے مرحلے تک پہنچنے کے لیے کن دشواریوں سے گزرنا پڑا؟ کیا رکاوٹیں درپیش آئیں؟ اور مختلف افراد اور اداروں نے اس ضمن میں کیا کردار ادا کیا؟--- زیرنظر کتاب میں' نہایت سلیقے اور عمدگی کے ساتھ اس سلسلے کی مرحلہ وار کہانی بیان کی گئی ہے۔ مزید برآں "پاکستان کے ایٹمی دھماکوں سے متعلق تمام سیاسی' تاریخی' جغرافیائی' تکنیکی اور سائنسی پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے"۔ بہ قول مصنف: "کتاب کا بنیادی مقصد' ایک عام آدمی کے تجسس کی پیاس بجھانا اور اسے چاغی میں سر کیے جانے والے معرکے سے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانا ہے" (ص ۱۴)۔

بین الاقوامی تناظر میں' نیز عالم اسلام کے حوالے سے پاکستان کے ایٹمی دھماکے کی اہمیت اور اس کے دور رس اثرات' کتاب کے پہلے باب کا موضوع ہیں۔ دوسرے باب میں چاغی کے محل وقوع اور جغرافیے کا بیان ہے۔ مضبوط ساخت کے راس کوہ کی سنگلاخ چٹان کے اندر چار سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۹۸۴ میں ایک کلومیٹر لمبی آڑی ترچھی سرنگ تیار ہوئی۔ پھر ۱۱ مئی کے بعد سرنگ کے اندر اور باہر ضروری آلات اور کیمروں کی تنصیب ہوئی' بڑی طاقتوں کا شدید دباؤ تھا مگر پاکستان کی رائے عامہ کا دباؤ غالب آیا۔ گرین سگنل ملا اور ۲۸ مئی کو ۳ بج کر ۱۶ منٹ پر راس کوہ میں ایک خوفناک زلزلہ آیا۔ پاکستان ایٹمی ممالک کی صف میں شامل ہوگیا--- یہ سب تفصیل ایک دلچسپ ڈرامائی صورت میں بیان کی گئی ہے۔

فیضان اللہ خان طبیعیات میں ایم ایس سی ہیں۔ انھوں نے صرف خارجی مراحل کے بیان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایٹم کی نوعیت' ایٹم بم کی تیاری' ایٹمی دھماکوں کی اقسام' ان کی تاریخ اور ان کے اثرات وغیرہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں بھی فنی اور تکنیکی معلومات مہیا کی ہیں۔ مصنف نے اس ضمن میں بہت سے متعلقہ موضوعات پر بھی عام فہم انداز میں معلومات بہم پہنچائی ہیں جیسے: نیوکلیائی طبیعیات کے اصول' یورینیم کی افزودگی' ایٹمی دور کا آغاز' تابکاری کی دریافت' ایٹم کی ساخت' پہلا ایٹمی تجربہ' دوسری جنگ عظیم' ہیروشیما اور ناگاساکی کا المیہ' امریکی تہذیب کا اصل چہرہ وغیرہ...... اس طرح مصنف نے تاریخ' سائنس اور عالمی سیاست کے حوالے سے مباحث میں تنوع پیدا کر کے کتاب کو دلچسپ اور معلومات افزا بنا دیا ہے۔

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا آغاز' پیش رفت اور تکمیل کے ضمن میں مصنف کے مطابق سب سے نمایاں نام ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا ہے۔ ۱۹۷۱ میں سقوط مشرقی پاکستان ہوا تو وہ ہالینڈ میں زیر تعلیم تھے۔ انھوں نے اس سانحے سے گہرا اثر قبول کیا۔ ۱۹۷۴ میں بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد انھوں نے عملاً کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے عبدالقدیر خان کے منصوبے سے اتفاق کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ۳۰ ہزار روپے کی ملازمت چھوڑ کر وہ ہالینڈ سے وطن آگئے اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں ۳ ہزار روپے کی ملازمت اختیار کر لی' مگر انھیں کمیشن والوں کا تعاون حاصل نہ ہو سکا تو انھوں نے ۱۹۷۶ میں کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز قائم کر کے یورینیم کی افزودگی کا کام شروع کر دیا۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جس "جانفشانی' لگن اور جذبے سے اس پر عمل درآمد شروع کیا وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے"۔ انھوں نے دن رات ایک کر دیا' وہ اتنے پرجوش تھے کہ اصل پلانٹ کی تعمیر و تکمیل سے پہلے ہی ایک چھوٹی سی لیبارٹری میں یورینیم کی افزودگی پر کام شروع کر دیا اور ابھی اصل پلانٹ زیر تعمیر تھا کہ ۴/اپریل ۱۹۷۸ کو اس عارضی لیبارٹری میں یورینیم کی افزودگی کا کامیاب تجربہ مکمل کر لیا۔ عبدالقدیر خان کی کاوشوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک و ملت سے محبت اور اس کے لیے دردمندی کے جذبات سے سرشار ایک شخص تمام تر مشکلات اور حوصلہ شکنیوں کے باوجود بھی کامیابی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ انسان کے عزم صمیم کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

آخری باب کا عنوان ہے: "پاکستان' اسلام کا قلعہ"۔ اس باب میں سی ٹی بی ٹی' پاکستان میں سائنس اور ٹکنالوجی کی پسماندگی' معیار تعلیم کی پستی' تعلیمی نظام کی ابتری اور نظام معیشت کی زبوں حالی وغیرہ کا ذکر ہے۔ اختتام ان سطور پر ہوتا ہے: "پاکستان کی تخلیق کا اصل مقصد اسلامی نظام کی برکتوں سے مستفید ہونا اور اسے امت مسلمہ کی رہنمائی کے منصب پر فائز کرنا تھا۔ ایٹمی قوت بن کر ہم نے منزل مقصود کی جانب صرف ایک قدم بڑھایا ہے۔ اس راہ میں ابھی بہت سا سفر کرنا باقی ہے۔ پاکستانی قوم کو اگر مخلص اور مناسب رہنمائی مل جائے تو وہ یہ کٹھن سفر طے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ نظام کی تبدیلی وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکی ہے۔ حکومتی ڈھانچے پر حاوی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے لوگ بیزار ہو چکے ہیں"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نوجوان مصنف اپنی پہلی ہی کتاب میں ایسی تالیفی مہارت دکھائے، زبان و بیان بھی عمدہ ہو، موضوع بھی اس کی گرفت میں ہو اور کتاب سے ایک قومی اور ملی نقطۂ نظر بھی ظاہر ہوتا ہو۔ یہ مصنف کی ذہانت ہے اور غالباً ان کے فاضل گرامی والد (پروفیسر آسی ضیائی) کا فیضان بھی، جن کے نام، انھوں نے یہ کتاب انتساب کی ہے۔

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ کتاب کی تالیف و تدوین کے ساتھ، کمپوزنگ، پروف خوانی اور انتخاب تصاویر کے کام بھی فیضان صاحب نے خود ہی انجام دیے ہیں اور جو تصاویر نہ مل سکیں وہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے تیار کی ہیں--- بلاشبہ زیر نظر کتاب "پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کی دل افروز داستان" (سرورق) ہے۔ بالخصوص نوجوان طلبہ کو اس کا مطالعہ ضرور ہی کرنا چاہیے (رفیع الدین ہاشمی)۔

خود نوشت افکار سرسید، سرسید احمد خاں، مرتبہ: ضیاء الدین لاہوری۔ ناشر: فضلی سنز لمیٹڈ، پارسی بلڈنگ، اردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۲۷۲۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

"سرسید احمد خاں (۱۸۱۷-۱۸۹۸)، علامہ اقبال (۱۸۷۷--۱۹۳۸) اور قائداعظم (۱۸۷۶-۱۹۴۸) کے لبرل اسلام کے علم بردار تھے۔ یہ اور قائداعظم بانیان پاکستان تھے، اس لیے پاکستان میں انھی کی تعبیر اسلام پر عمل پیرا ہونا چاہیے"------ اس طرح کی بات بڑے تسلسل کے ساتھ دہرائی جاتی ہے اور پسماندگان اقبال نے بھی اسی بات کو اپنی فکر کا سرعنوان بنا رکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ اس حوالے سے اقبال دوستی کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں یا انہدام اقبال کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں... بہرحال زیر تبصرہ کتاب اس خدشے کی تائید کرتی ہے۔ اس کتاب مین جو افکار، بطور خود نوشت سرسید مرحوم، پیش کیے گئے ہیں، ان میں سے ۹۵ فی صد کی تو، اقبال مرحوم ہرگز تائید کرتے دکھائی نہیں دیتے۔

مسلمانان جنوب مشرقی ایشیا کی فکری، سیاسی اور سماجی زندگی پر سرسید مرحوم نے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر سلفی العقیدہ تھے، مگر اپنے کئی ہم مکتب دانش ور رجال کی طرح دینی معاملات میں آزاد روی کا شکار ہو گئے۔ مغرب سے مرعوبیت اور عبرت ناک ٹھوکروں کے باوجود بلاشبہ ان کا دل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یوں تڑپتا تھا کہ بہت سے مذہبی قائدین بھی اس پر رشک کر کے رہ جائیں۔ افسوس کہ ان کا یہ پہلو نظرانداز ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے خطہ ہند پر فرنگی برہمن اتحاد سے پیدا ہونے والے عبرت ناک مستقبل کی پیش بینی کرتے ہوئے، اس درد کی دوا انگریزی تعلیم میں تلاش کی۔ اس ذیل میں ان کے نتیجہ فکر کے غلط یا صحیح ہونے کی بحث کو چھوڑ دیا جائے، تو واقعہ یہ ہے کہ اپنی دانش کی حد تک انھوں نے اخلاص ہی سے یہ راستہ تجویز کیا۔ اس لیے ایک قوم پرست

© rasailojaraid.com